Tauseeq, Volume. 4, Issue. 1
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: https://doi.org/10.37605/tauseeq.v4i1.46

Received: 30-03-2023
Accepted: 27-05-2023
Published: 30-06-2023

ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار کے ناول ”آخری محبت“ کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of Dr. Izhar Ullah Izhar's Novel Aakheri Muhabbat

اختر علی*
ڈاکٹر انور علی*
ڈاکٹراعجاز احمدجان*

Abstract:

In this paper, a research study of Dr. Izharullah Izhar's novel "Akheri Muhabbat" is presented. The main theme of this novel is love. But here the philosophy of consistency, liberty and evolution in love is described which is a new addition in terms of style. The novel also contains post-modern elements. In it, the expression of elements such as pluralism, intertextuality, feminism, post-colonialism and globalization is prominent.Dr. Izhar has successfully presented his notions regarding love in this novel. The story of the novel revolves around Danial and Palwasha. The writer collected the material for his novel from social environment and portrayes the events logically developing the plot effectively clearly shows the potential of Dr. Izhar as a successful fiction writer.

Keywords: Aakheri Muhabbat, Post-Modernism, Pluralism, Intertextuality, Feminism, Post-colonialism and Globalization

ڈاکٹر اظہاراللہ اظہار ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ بہ یک وقت شاعر، ادیب، افسانہ نگار، ناول نگار، ناقد اور محقق ہیں۔ ان کا ناول "آخری محبت" ان کی اشاعت پذیر ہونے والی تخلیقات میں آخری کتاب ہے۔لیکن ان کا تخلیقی سلسلہ اب بھی رواں دواں ہے اور

* اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ اُردو،گورنمنٹ ڈگری کالج کبل سوات
* اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ اُردو،اسلامیہ کالج یونی ورسٹی پشاور
* استاد، شعبہ اردو، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی پشاور

ان کا تخلیقی عمل رکا نہیں۔ ڈاکٹر اظہاراللہ اظہارؔ کا ناول"آخری محبت" بنیادی طور پر ایک رومانوی ناول ہے۔کیوں کہ اس ناول کے تمام تر فکری اور فنی زاویے رومانویت کے عناصر سے مملو ہیں۔محبت کی مہک،فطرت کی دوشیزگی،عورت کا پیکر ، حسن وجمال کی بوقلمونیاں ،تخیل کی اڑان اور درد بھرے گیت غرض رومانویت کا کون سا حوالہ ہے جو یہاں موجود نہیں۔ اس ناول کو رومانویت کی بوطیقا قرار دیا جاسکتا ہے۔ فکری لحاظ سے محبت اس کا بنیادی حوالہ ہے جبکہ فنی لحاظ سے اس کی زبان رومانویت کے اس مقام کو چھو رہی ہے جسے شاعرانہ زبان سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔اس کی ایک بنیادی وجہ مصنف کا شاعر ہونا ہے۔البتہ ذہن نشین رہے کہ یہ وہ شاعرانہ زبان نہیں جو نثر کو مسخ کرجاتی ہے بلکہ یہ نثر کے ماتھے کا جھومر بنتی دکھائی دیتی ہے۔جملوں اورالفاظ و تراکیب کی سحرکاری ،طلسماتی منظر نگاری اور جادوئی فضا کی استواری نے کتابی دنیا تشکیل دی ہے۔ قاری کی روح دنیائے آب وگل سے بے نیاز ہو کر لفظوں کے وسیلے سے کتابی دنیا کی سیر سے محظوظ ہو رہی ہوتی ہے۔اگر ناول کی زبان شاعرانہ، نہ ہوتی تو شاید کتابی دنیا کی یہ تخلیق ممکن نہ ہوپاتی۔ ناول میں اس کی کثیر مثالیں موجود ہیں مگر گل مالہ کا سراپا بیان کرتے وقت جو سماں بندھ گیا ہے اس کی تاثیر ملاحظہ کیجیے:

> "موسم بڑا خوشگوار تھا ہلکی ہلکی بوندا باندی نے فضا کو محبت کے لیے سازگار بنا دیا تھا۔ہوا کے جھونکے گل مالہ کے دوپٹے کو چھونے کی کوشش کرتے تواس کا ہاتھ دو پٹے پر مضبوط ہو جاتا ۔سب لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے دیکھنے پر مجبور تھے۔ پوری یو نی ورسٹی میں گل مالہ کی قد آوری اور زیبائی کی ہم پلہ کوئی لڑکی موجود نہیں تھی۔اس کے قدم سبزہ زار کی طرف بڑھتے تو یونی ورسٹی کی پھولوں بھری شاخیں اس کی ملکوتی حسن پر فدا ہونے کے لیے راہوں میں بچھ بچھ جاتیں۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے صنوبر کے درختوں نے گل مالہ کی دوشیزگی اوڑھ رکھی ہو۔خوشبوئیں اس کی رفاقت میں چلنے پر مجبور تھیں۔ وہ جہاں سے گزرتی وہ مقام اس کے وجود کی مہک میں ڈھلنے لگتا۔ اس کی آمد نے بہت ساری خود سر دو شیزاؤں کو احساسِ کم تری میں مبتلا کردیا تھا۔"(۱)

ناول میں محبت کے جذبے کی عکاسی جس انداز سے کی گئی ہے یہ عام ڈگر سے مختلف اور انوکھا تجربہ ہے۔ مرکزی کردار دانیال اظہر محبت میں تکثیریت اور دائمیت کا قائل ہے۔یوں اس کی محبت ارتقائی مراحل سے گزر کر رواں اور جاوداں رہتی ہے۔ اگرچہ ناول کا نام "آخری محبت " ہے مگر ناول کا متن محبت کے اختتام کا قائل نہیں۔ ڈاکٹر اظہار

محبت کو ایک لازوال جذبہ ثابت کرکے دکھانا چاہتےہیں۔ ان کے مطابق محبت کے مختلف تجربات مل کر انسانی روح کی تکمیل کرتے ہیں۔ ان کی محبت جسمانی لمس کی آلودگیوں سے پاک ہے۔یہ ایسی ملکوتی محبت ہے جسے روحانی طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ایسی محبت کسی ایک فرد کی اسیر ہوکر رہنا قبول نہیں کرتی بلکہ محبت کے ہر رنگ میں رنگنا چاہتی ہے۔پلوشہ ، دانیال اظہر کوبار بار اپنے وجود کا احساس دلا کر اپنی طرف راغب کرنا چاہتی ہے اور اسے اپنی ذات تک محدود کرنے کے جتن کرتی ہے مگر دانیال ہر بار اسے یہی جواب دیتا ہے کہ محبت کے آگےبند باندھنا نادانی ہے۔پلوشہ کے پاس ایک البم ہے جس میں دانیال کی محبوباؤں کی تصویریں ہیں۔وہ ہر تصویر کے متعلق دانیال سے سوال کرتی ہے اور دانیال اظہر جواب دیتا ہے۔ سوال و جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محبت کے اس البم یعنی دل میں مدھو بالا،مہارانی،تانیا،رابعہ،شمائلہ،زینت کمال اور اجالا کی حیثیت ثانوی جبکہ امتل ،رضیہ عندلیب،گل مالہ اور پلوشہ کا مقام بنیادی ہے۔امتل،رضیہ عندلیب اور گل مالہ عورت ذات ہو کر بھی روحانی محبت میں شراکت کی قائل ہیں اور اپنی روحیں دانیال اظہر کی روح میں منقلب کرنا چاہتی ہیں۔مگر پلوشہ اس روحانی اشتراک کی قائل نہیں۔اس لیے وہ دانیال کو چھین کر اپنا بنانے کی ضد کرتی ہے۔اس ضد کی وجہ اس کی کم عمری اور محبت کے ماورائی فلسفے سے ناواقفیت ہے۔اس لیے وہ روایتی عورت کا نمونہ بن کر دیگر خواتین کے ساتھ حسد کرتی ہے۔دانیال پلوشہ کو ماورائی محبت کی شراکت کا فلسفہ یوں سمجھاتاہے:

> "محبت میں سب کا اپنا اپنا حصہ ہوتا ہے۔تم اپنے حصے کی محبت پاکر دوسروں کا جینا حرام کرنا چھوڑ دو تو تمھارا حسن اور بھی نکھر کر سامنے آئے گا۔ البم کی ان تصویروں میں تمھاری تصویر شامل ہوگی تو البم مکمل ہوجائے گا۔تمھارے بغیر ان تصویروں کا حسن ادھورا ہے لیکن اپنے رویوں پر نظرِ ثانی کرو۔پلوشہ میری نگاہ میں زندگی کی جمالیات کاایک مکمل نصاب ہے۔"(۲)

دانیال اظہر کی محبت کے تمام رنگ ،ان کے دل میں یادیں بن کر زندہ ہیں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ یادیں اتنی میٹھی ہیں کہ وہ انھیں کسی بھی قیمت بھلانا نہیں چاہتا اور بالفرض وہ بھلانا چاہے بھی تو نہیں بھلا سکتا کہ یہی یادیں اس کی زندگی بھر کا سرمایہ ہیں۔یادوں کا یہ سرمایہ اس وقت ناسٹلجیائی صورت میں ڈھل جاتا ہے جب پلوشہ ان یادوں کو آگ لگا نا چاہتی ہے اور دانیال اظہر اسے مخاطب کرکےکہتا ہے:

"تم البم میں موجود ان تصویروں کو تو آگ لگادوگی لیکن یہ،یہ میرے تصورات پر نقش ہو چکی ہیں۔ میرےدل اور دماغ پر اپنا نام کندہ کراچکی ہیں۔ وہاں سے تم انھیں کس طرح مٹا پاؤگی۔"(۳)

یہ ناول تہذیبی زوال کا نوحہ ہے۔ڈاکٹر اظہار یہ نکتہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ نئی تہذیب کے دلدادہ جس چیز کو ترقی تصور کرتے ہیں وہ دراصل تہذیبی زوال ہے مگر ان کے دل کی آنکھیں بے نور ہیں۔حقیقیت نئی نسل کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔ وہ جان کر بھی انجان بنی ہوئی ہے۔دانیال یونی ورسٹی میں تہذیبی زوال کے موضوع پر لیکچر دیتا ہے تو حمیرا ثاقب اس سے اختلاف کر کے کہتی ہے کہ ہر تخریب کے عقب میں تعمیر پوشیدہ ہوتی ہے اس لیے میں اسے زوال کی بجائے ارتقا تصور کرتی ہوں۔ کیوں کہ انسان ہی اجڑی ہوئی تہذیب کو کندھا دے کر دوبارہ اٹھنے کے قابل بنا تا ہے۔دانیال فلسفۂ جبر و قدر کے ذریعے اسے سمجھاتا ہے جس کی جانب مولانا مودودی نے اپنے مضمون میں اشارہ کیا ہے:

" اگر آپ اپنے دعویٰ میں ترمیم کرکے یہ کہتے ہیں کہ افراد نہیں بلکہ قومیں اپنی تقدیر بناتی ہیں تو یہ بھی ماننے کے قابل بات نہیں۔ہر قوم کی تقدیر جن اسباب سے بنتی ہے ان میں نسلی خصوصیات، تاریخی اثرات،جغرافیائی حالات،قدرتی وسائل اور بین الاقوامی صورتحال کا بڑا دخل ہوتا ہےاور یہ بات دنیا کی کسی قوم کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ان اسباب کی گرفت سے آزاد ہوکر اپنی تقدیر جیسی چاہے خود بنا لے۔"(۴)

دانیال ا سی بیان سے ملتے جلتے انداز میں حمیرا کو سمجھاتے ہوئے کہتاہے:

محترمہ فطرت تعمیر اور تخریب سے لاپروا ہے۔اس کا رشتہ تدبیر سے زیادہ تقدیر کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔جبکہ تہذیب فطرت کی خود سری کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔تہذیب کی دیوی ناتواں ہو کر بے قابو ہوجاتی ہے تو ہر پہلو سے معاشرے کا وجود بکھرنے لگتا ہے۔حقیقت میں یہی زوال ہے جسے آپ ارتقا سے تعبیر کرتی ہیں۔"(٦)

فلسفۂ جبر و قدر کے حوالے سے دانیال اظہر اور امتل کا یہ مکالمہ بھی قابل غور ہے جب امتل کہتی ہے کہ ایک طبقہ یہ تصور رکھتا ہے کہ اللہ نے سب کچھ پیدا کر کے اس سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور باقی سب کچھ انسان پر چھوڑ دیا ہے اور اب تمام امور انسان انجام دے رہا ہے۔دانیال جواب دیتا ہے کہ وہ طبقہ اب اپنے مؤقف سے منحرف ہو کر کہتا ہے کہ انسان کے پاس اس نظام کو نہ سنبھالنے کی طاقت ہے اور نہ سمجھنے کا یا را۔"(٦)

ڈاکٹر اظہاراللہ محبت کو زماں ومکاں کی قید سے ما ورا تصور کرتے ہیں۔اگر انسان خود شعوریت کی صفت سے آشنا ہوجائے تو زمین اور وقت کے ساتھ اس کا رابطہ برائے نام رہ جاتا ہے۔محبت ہی وہ وسیلہ ہے جو اسے ماضی،حال اور استقبا ل سمیت مکان کے حصار سے آزادی دلا تاہے۔یہ وہ مقام ہے جہاں انائے فاعل،انائے عاقل پر حاوی ہوکر انسان کو انسانیت کے مرتبے سے اوپر اٹھا دیتی ہے۔ناول میں دانیال پلوشہ کو خود فریبی سےنکل کر خود شعوریت کا احساس دلاتا ہے۔تا کہ وہ بھی زماں و مکاں کی قید سے ماورا ہوکر اپنی منزل پاسکے:

> "انسان کی نیت کا خمیازہ پوری کائنات کو بھگتنا پڑتا ہے۔ میں یہ محسوس کر رہا تھا،محبتوں کی کہکشاں میں بستی بسا کر زمین کے جھگڑوں سے نجات حاصل ہوگی لیکن اب یہ سوچ رہا ہوں کہ ہم سب کی شکل میں زمین کہکشاں کو برباد کرنے کےلیے یہاں آکر آباد ہو گئی ہے۔یقیناً یہاں زمان و مکان(Time and Space)کا تصور وہ نہیں، وہ روایتی انداز نہیں لیکن انسان جہاں بھی جاتا ہے وہاں خود کو دائروں میں مقید کرلیتا ہے۔پلوشہ تم نے خود کو خود فریبی کے حصار میں بند کر رکھا ہے اس حصار سے نکل آؤ۔"[۷]

ناول میں محبت کا ارتقا روایت سے ما بعد جدیدیت تک کا سفر ہے۔یہاں روایتی مہابیانیے بنتے اور ٹوٹتےنظر آتےہیں۔روایتی مہابیانیوں سے مراد ماقبل جدیدیت کےیا تہذیبی مہا بیانےہیں۔جدیدیت کے مہابیانیے عقل پرستی کے تابع ہیں۔جبکہ ماقبل جدیدبیانیے تہذیبی یا اعتقادی بیانیے ہیں۔مگر دونوں میں بہر حال کلیت مشترک ہے۔انہی مہابیانیوں کےبرعکس مابعد جدیدیت نے چھوٹے یا منی بیانیے تشکیل دیے۔ دانیال کلیت،وحدت،مرکزیت،مقامیت اور فردیت پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے جبکہ پلوشہ ہر مہابیانیے کو رد کرکے منی بیانیے تشکیل دیتی ہے۔

دانیال تہذیبی آئیڈیالوجی میں محصور ہے اس لیے وحدت کا قائل ہے۔وہ مہا بیانیوں کی اتھارٹی کو توڑ کر زندگی کو دیکھنا نہیں چاہتاپلوشہ اسے شادی کی پیشکش کرتی ہے تو وہ اندیشوں کا شکار ہوجاتا ہے۔اندیشے کا کوئی وجود نہیں ۔اندیشہ تجرید ہے۔جس طرح سوسئیر کے مطابق لانگ زبان کی تجریدی ساخت ہے[۸] جو ناقابل دید ہوتا ہے اسی طرح اندیشہ بھی تجریدی ہے کیوں کہ یہ لانگ سے جنم لیتا ہےچونکہ ہمارا لانگ تہذیب و ثقافت سے تشکیل پاتا ہے اس لیےلانگ روایات و اقتداریات(Authorities) کا پابند ہو تا ہے۔اندیشہ دراصل روایتی اور مقتدر نظریوں کی پیداوار ہےجسے ہم آسان الفاظ میں معاشرتی خوف سے تعبیر کرسکتے ہیں۔پلوشہ کی جانب سےشادی کی پیشکش پر دانیال کا رد عمل ملاحظہ کیجیے:

"تمھارا جذبہ لائقِ ستائش ہے۔وابستگی کا یہ انداز نہایت جارحانہ مگر بڑا دلبرانہ ہے۔لیکن جب میں اپنی تنہائی سے مکالمہ کرتا ہوں تو اندیشوں کا ایک نہ ختم ہونے والا طوفان مجھے چاروں طرف سے گھیرنے لگتا ہے۔"[۹]

پلوشہ اتھارٹی کو چیلنج کرتی ہے ۔وہ دانیال کو خدشات کی رد تشکیل پر اکساتی ہے۔اس لیے اندیشوں کو نظر کا فریب قرار دیتی ہے جن کا کوئی وجود نہیں بلکہ محض سائے ہیں:

" اندیشے نظروں کا فریب ہوا کرتے ہیں اس فریب سے نکل آؤ اور یہ سمجھو کہ حالات کے مطابق ذہن سچائی تخلیق کرتا ہے۔تم فیصلہ کرو تو اندیشے مٹ جائیں گے۔"[۱۰]

سچائی کا تعلق فلسفۂ اخلاق سے ہے اس لیے اضافی تصور کی جاتی ہے۔[۱۱]پلوشہ کی سوچ تکثیری ہے اس لیے وہ دانیال کو ایک اور شادی پر قائل کر نے کو سچائی تصور کرتی ہے۔مگر دانیال کی نظر میں روایات کی پاسداری کرنا سچائی کی اصل صورت ہے۔اس لیے وہ دوسری شادی کو صفر سے ابتدا کرنے اور خسارہ اٹھانے سے تعبیر کرتا ہے۔[۱۲] دانیال کی یہ سوچ پلوشہ کو طیش دلاتی ہے اس لیے وہ اس کی محبت کو جھوٹ قرار دیتی ہے۔محبت کو جھوٹ قرار دینا دراصل مہابیانیے کو جھوٹا قرار دینا ہے۔پلوشہ کلیت،وحدت اور مہابیانیے کو کیسے رد کرتی ہے،مثال دیکھیے:

"تم بزدل ہو تم میں فیصلہ کرنے کی قوت نہیں۔دوسرے شاعروں سے تم بھی مختلف نہیں ہو۔تم نے محبت کو کتابوں کی حد تک محدود کیا ہے۔غزل لکھ کر تم سمجھتے ہو کہ محبت کا حق ادا ہوگیا۔تمھاری محبت بھی افسانوں کی طرح فرضی اور جھوٹی ہے۔اگر تم کچھ کر نہیں سکتےہو پھر مجھ سے محبت کا اقرار کیوں کر رہے ہو۔"[۱۳]

بین المتونیت کی اعلیٰ صورت وہ ہے جہاں ہر تحریر میں ثقافتی ، معاشرتی، معاشی اور تہذیبی اشتراکات کی نشان دہی کی جاتی ہے کیوں کہ یہ تمام عناصر زبان کی لانگ میں بطور کوڈز موجود ہوتے ہیں۔اس کی ادنیٰ صورت وہ ہے جس کے تحت کسی ایک تحریر میں سے کچھ اجزا اٹھا کر دوسری تحریر میں شامل کی جائیں۔ یہاں رحیم گل کے ناول "جنت کی تلاش" کی ہیروئن امتل اپنی ارتقائی صورت میں نظر آتی ہے۔امتل کے علاوہ رحیم گل اور اس مقام کا تذکرہ بھی شامل ہے جہاں سے رحیم گل نے اپنے ناول کا آغاز کیا تھا۔یوں امتل کی شمولیت سے" آخری محبت" بین المتونیت کی واضح مثال بن جاتا ہے۔

محبت کا جذبہ بھی ایک متن ہے جو متن کی تحریری نہیں بلکہ تجریدی صورت ہے۔دانیال کی محبت بذاتِ خود تکثیریت کی حامل ہے۔ پھر دانیال کی محبت سمیت ناول میں سہیل،سلمان،شہاب اور دیگر کرداروں کی محبتوں کو بھی یکجا کیا گیا ہے جو بین الحبیت یا محبت کی تکثیریت کی خوب صورت مثال ہے۔"آخری محبت" ایک نظامِ شمسی ہے جس میں دانیال کی محبت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور محبت کے دیگر سیارے اس کی محبت سے جلا پاتے ہیں۔

رضیہ اور دانیال دونوں تخلیق کار ہیں۔رضیہ افسانہ لکھتی ہے جبکہ دانیال شاعر ہے۔ان کے مابین جس طرح جذبوں کا اشتراک محبت کی شکل اختیار کرتا ہے۔اسی طرح دونوں کے تخلیقی افکار کا اشتراک بین المتونیت کے قالب میں ڈھل جاتا ہے۔ کئی مرتبہ یوں ہوا کہ رضیہ کے افسانوں کو دانیال اظہر نے شاعری کی صورت بخشی جبکہ رضیہ نے اس کی شاعری کو افسانے کے قالب میں ڈھالا ۔متون کا یہ اشتراک بین المتونی فکر کا نتیجہ ہے۔[۱۴]

آج کی عورت پدر سری معاشرت کو للکار کر اپنی حیثیت منوانے کے لیے کوشاں ہے۔کافی حد تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوچکی ہے۔عورت کو مرد سے یہ گلہ ہے کہ اس نے اپنے نظریے کے مطابق عورت کے مقام کا تعین کیا ہے،مرد نے یہ سوچا تک نہیں کہ خود عورت اپنے مقام کے بارے میں کیا سوچ رکھتی ہے۔عورت ذات کی اس فکر کو تانیثیت کا نام دیا گیاہے۔بعض حضرات تانیثیت کی بابت مخمصے کا شکار نظر آتے ہیں۔کوئی عورت اور مردکے مابین حقوق کی مساوی تقسیم کو تانیثیت قرار دیتاہے۔کسی نے نسائیت کو تانیثیت سمجھا تو کچھ نے نسوانیت کو تانیثیت کہا۔جہاں تک عورت اورمرد کے مابین حقوق کی مساوات کا تعلق ہے تو یہ بات اپنی جگہ درست ہے مگرحقوق کی نوعیت کیا ہے؟ اس بارے میں کچھ لوگ تذبذب کا شکار ہیں۔پہلی بات یہ ہے کہ نسائیت ، نسوانیت اور تانیثیت کے مابین فرق کو سمجھا جائے،اس کے بعد حقوق کا تعین کیا جائے۔

جہاں تک عورت سے متعلق مذکورہ بالا تین اصطلاحات کا تعلق ہے تو اسے انسانی وجود کی تشبیہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔ نسائیت جسم کا ظاہر،نسوانیت باطن جبکہ تانیثیت شعور کی صلاحیت کا نام ہے۔عورت کے لباس،بناؤ وسنگھار اور تمام ظاہری حرکات و سکنات کا تعلق نسائیت سے ہے۔بطور جنس،گفتار،مامتا،ترحم،حساسیت،تولید اور دیگر پوشیدہ کیفیات کا نام نسوانیت ہے جبکہ سوچ وفکر کی صلاحیت اور شعورِ ذات کو تانیثیت سے موسوم کیاجاسکتا ہے۔لہٰذا تانیثیت وہ شعوری تحریک ہے جس کے تحت خواتین اپنی نظر انداز شدہ حیثیت کا احساس دلاکر اُتنی توجہ حاصل کرنا چاہتی ہیں جتنی کسی معاشرے میں مرد کو حاصل ہوتی ہے۔اس کی پسند کا بھی اُتنا خیال رکھا جائے جس قدر کہ مرد کی پسند کا خیال رکھا جاتاہے۔یوں کہیے کہ خواتین حاشیے سے مرکز کی جانب سرکنا چاہتی ہیں اور یہ کوئی ناروا بات نہیں۔جہاں تک عورت کی بے جا آزادی اور "میرا جسم میری مرضی" جیسے نعروں کا تعلق ہے تو اس کا تانیثیت سے کوئی تعلق نہیں۔اس قسم کے منفی ہتھ کنڈے ہر

تحریک کی ناکامی کے لیے استعمال میں لائے گئے ہیں۔سو ان سے صرفِ نظر کرنے میں ہی بھلائی ہے۔

اب جہاں تک حقوق کی بات ہے تو تانیثیت کی پہلی لہر انیسویں صدی کے وسط میں اٹھی اس کی حیثیت سیاسی تھی جس میں خواتین نے ووٹ کا حق مانگا اور انھیں کامیابی مل گئی۔دوسری لہر کا تعلق ساٹھ کی دہائی سے ہے جب خواتین نے معاشی اور پیشہ ورانہ شعبوں میں برابری کے لیے جد وجہد کی کہ انھیں مردوں کے برابر اجرت دی جائے کیوں کہ وہ بھی مردوں جتنی محنت کرتی ہیں۔تیسری لہر میں عورتوں نے زبان،ادب اور میڈیا میں نمائندگی کے اصولوں کو چیلنج کیا جن میں خواتین کو نظر انداز کرکے مردوں کی اتھارٹی قائم کی گئی تھی،اس کا تعلق۱۹۹۰ء کے آس پاس کے زمانے سے ہے۔۲۰۱۲ء کے آس پاس چوتھی لہر سامنے آئی جس کا مقصد سفید تانیثیت کا ردّ اور عورتوں کے خلاف بڑھتے ہوئے جنسی جرائم کے خلاف سوشل میڈیا پر آواز بلند کرنا تھا۔[۱۵]عورت کا استحصال آج بھی جاری ہے اوروہ اس کے خلاف سینہ سپر ہے۔

"آخری محبت" میں تانیثی فکر کے حوالے سے رضیہ عندلیب کا کردار توجہ طلب ہے۔سلمان کی محبت کھو دینا دراصل پدر سری روایات کا نتیجہ تھا جس نے اسے خود شعوریت عطا کی۔دانیال اظہر سے محبت کرتے ہوئے اس نے محتاط انداز اپنایا اور تسلیم کرلیا کہ محبت محض اجسام کے اتصال کا نام نہیں۔وہ روحانی محبت کے راز سے واقف ہوگئی۔ دانیال اس سے پروفیسر سہیل کے ساتھ شادی کرنے کے حوالے سے سوال کرتا ہے تو وہ بڑے اعتماد کے ساتھ آزادانہ جواب دیتی ہے کہ میں رشتوں میں منافقت کی قائل نہیں۔جسم کی رفاقت کے لیے روح کا شریک ہونا ضروری ہے اور میں روحانی طور پر خود کو دانشوری کی بھینٹ چڑھانے کے لیے تیار نہ تھی۔[۱۶]جب دانیال اس سے پوچھتا ہے کہ شہاب کے ساتھ شادی کرنے سے کیوں انکار کیا تو یہاں بھی ڈٹ کر جواب دیتی ہے کہ اس کی رفیق حیات بننا عمر قید سے زیادہ مشکل ہوتا۔دوستی اور گپ شپ کی حد تک اس کا ساتھ مناسب ہے مگر بحیثیت شریک حیات مجھ میں اس کا ساتھ دینے کا حوصلہ نہ تھا۔[۱۷]

یورپی اور مغربی اقوام نے تیسری دنیا کے ممالک کو وحشی سمجھ کر ان کی تربیت کا ڈھونگ رچایا اور اس آڑ میں اپنے معاشی مقاصد کی تکمیل کے لیے ہر طرح سے ان کا استحصال کیا۔یوں دنیا میں نو آبادیاتی نظام مستحکم ہوا۔دوسری جنگ عظیم میں تیسری دنیا کے بیشتر ممالک نے آزادی حاصل کی اور نو آبادیاتی دور کے استحصالی نظام کا پردہ چاک کیا۔نو آبادیاتی دور کا ادب نو آباد کار کی فکر کے تابع تھا۔لہٰذا نو آبادیاتی دور کے ادب اور نو آباد کار کے سیاسی،معاشی،اقتصادی اور تہذیبی ہتھ کنڈوں کو سامنے لانا ما بعد نو آبادیات کے نام سے موسوم ہوا۔بے شک جسمانی نو آبادیاتی نظام سے دنیا کو نجات مل گئی مگرسائبر ٹیکنالوجی کے فروغ نے سائبر نوآبادیات کو جنم دیا جس سے نجات پانا ناممکن ہے۔

"آخری محبت" میں مابعد نو آبادیاتی فکر کے بیشتر حوالے موجود ہیں ۔ دانیال مغرب کے استحصالی نظام،طاقت کی نمائش اور سرمایہ دارانہ ہوس کی مذمت کر کے تیسری دنیا کے ممالک کی ناگفتہ بہ حالت پر افسوس کرتا ہے۔انھیں یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ غریبوں کا خون چوس کر غاصب اپنی اجارہ داری کو تقویت دیتا ہے:

"مادی محبتوں کی نفسیات ہی ایسی ہیں۔یہ اپنے مفادات کے حصول کے لیے آپس میں اتحاد بھی کر لیتی ہیں لیکن کسی ایک کو بھی اپنی زیادہ طاقت کا اندازہ ہوجائے تو بگاڑ کی صورت اختیار کرتی ہے۔دنیا کے تمام استحصالی نظام اس خواہش کا شاخسانہ ہیں۔ سرمائے اور محنت کا تضاد مادی رغبتوں کے حصول نے ہی پیدا کیا ہے۔ غریبوں کا خون پسینہ نچوڑ کر اس کے خلاف استعمال کرنا غاصب حکمرانوں کا ہنر رہا ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو صومالیہ،ایتھوپیا،سوڈان اور تیسری دنیا کے غریب ممالک کی یہ حالت نہ ہوتی۔"[۱۸]

مقتدر قوتیں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے اس حد تک گر جاتی ہیں کہ محبت کی جگہ ان کے دل نفرتوں سے بھر جاتے ہیں۔وہ دنیا میں بھی نفرتوں کی دیواریں اٹھاکر اسے کالونیوں میں تقسیم کردیتی ہیں:

"میں بے لوث محبت کی بات کر رہا تھا۔یہ محبت محبوب کی خوشی کے لیے سب کچھ لٹا کر بھی خوش رہتی ہے۔اس کی سرشاری بھوک اور پیاس کے احساس کو مٹا کر محبوب کے وجود سے اتصال قائم کرتی ہے اور جب تکمیل پانے لگتی ہے تو دنیا کو اپنے اقتدار کو دوام دینے کی خاطر کالونیوں میں تقسیم نہیں کرتی بلکہ رحمت کی بارش بن کر زندگی کے دشت پر برستی ہے اور بے آب و گیاہ سلسلوں کو نشوونما کے احساس سے آراستہ کردیتی ہے۔استعماری قوتوں پر محبت کی موجودگی سے لرزہ طاری رہتا ہے۔"[۱۹]

مابعد نوآبادیاتی نظام کے بطن سے عالم گیریت نے جنم لیا۔ دنیا کو عالمی گاؤں بنانے کے خیال نے جدید سائنسی ٹیکنالوجی کو برق رفتار ترقی کے راستے مہیا کیے ۔ایسا اس لیےکیا گیا تاکہ مقتدر قوتوں کو دنیا کے تمام وسائل تک رسائی میں آسانی ہو اور کوئی رکاوٹ درپیش نہ ہو۔جہاں کہیں رکاوٹ درپیش ہو تو اسے مٹانے کے لیے جدید ہتھیار مع ایٹم بم ایجاد کیے گئے ہیں جن کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں ٹک سکتی۔ دانیال اظہر بھی مابعد جدید دنیا اور بالخصوص تیسری دنیا کا فرد ہے۔یہ تمام صورت حال اس کے سامنے ہے۔اس لیے وہ اس نظام پر جرح ونقد کرکے اس کی مذمت کرتاہے:

"عظمتیں، تعصب اور جبر کی پیداوار نہیں ہوتیں۔ انسان تو انسان کو بڑے پیمانے پر برباد کردینے والی جنگوں کو بھی عظیم قرار دیتا ہے۔لیکن وہ جنگیں کس طرح عظیم کہلائی جاسکتی ہیں جو نسلِ انسانی کی بیخ کنی کر چکی ہوں۔ان برائے نام عظیم جنگوں نے انسان کو بہت چھوٹا ثابت کیا ہے۔بے گناہ انسانوں پر ایٹم بم گرانا،اس کے خلاف جوہری ہتھیاروں کا بے دریغ استعمال کرنا انسان کی جہالت،شقاوت اور حیوانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔انسان اپنے دامن سےکبھی بھی اس بد نما داغ کو مٹا نہیں سکے گا۔"[۲۰]

دانیال مغرب کے جنگی جنون کا پول کھول کر رکھ دیتا ہے کہ تمام دنیا کواپنے مفادات کا تابع بنانے کے لیے مغرب حیلے ڈھونڈ کر طاقت کا استعمال کرتا ہے اور اسی طاقت کے ذریعے اپنے مفادات کو بیانیے کی صورت میں مستحکم بناتا ہے۔جنگ اگر تمام انسانیت کے مفاد کےلیے ہو تو جواز رکھتا ہے مگر ایک خاص قوم،خطے یا طبقے کے مفاد کےلیے ہو تو بلا جواز اور بربریت کی بد ترین مثال ہے:

"جنگ کو میں فطری طورپر پسند نہیں کرتا،لیکن ہر صورت میں اسے بلا جواز بھی نہیں سمجھتا۔اگر انسانیت کی بقا اور ہدایت کے لیے جنگ لڑی جائے تو عظیم کہلائے گی اگر اپنے مفادات حاصل کرنے کی خاطر انسانوں کی نسل کشی اور حقوق ِغصب کرنے کےلیے میدان جنگ سجایا ہے تو اسے میں فساد اور بداخلاقی سمجھتا ہوں۔"[۲۱]

مذکورہ بالا تحقیقی مطالعے کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر اظہاراللہ اظہارؔ کا ناول "آخری محبت" عمومی طور پراردو ادب اور بالخصوص خیبر پختونخوا کے ادب میں ایک وقیع اضافہ ہے۔کیوں کہ دیگر اصناف کے مقابلے میں یہاں ناول کا ذخیرہ ناکافی ہے۔اس ناول کے مطالعے سے نوجوان ادبا میں ناول کا تخلیقی رجحان فروغ پائے گا۔ناول کی بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف نے آنکھیں بند کر کے محض محبت کے سریلے گیت نہیں گائے بلکہ حالیہ قومی اور بین الاقوامی مسائل بھی ان کے پیش نظر ہیں۔یوں سمجھ لیجیے کہ ناول میں محبت کے گیت بھی ہیں اور جبر کی شکار انسانیت کے نوحے بھی۔

حوالہ جات

۱۔ڈاکٹر اظہاراللہ اظہار،آخری محبت،اعراف پرنٹنگ پریس،پشاور،۲۰۲۲ء،ص۱۲۴

۲۔ ایضاً ، ص۲۲۵

۳۔ ایضاً ، ص۲۴۱

۴۔مولانا ابوالاعلیٰ مودودی،جبر و قدر،مشمولہ:ڈاکٹر وحید عشرت،جبر و قدر،سنگ میل پبلی کیشنز ،لاہور،۲۰۰۷ء،ص۱۳۵

۵۔ ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار،آخری محبت،۱۸۶،۱۸۵

۶۔ ایضاً، ص۱۷۴

۷۔ ایضاً ،ص۲۶۲

۸۔گوپی چند نارنگ،ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۱۹۹۴ء،ص۳۸

۹۔ ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار،آخری محبت،ص۱۱

۱۰۔ ایضاً ،ص۱۱

۱۱۔قاضی قیصر الاسلام،فلسفے کے بنیادی مسائل،نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد،۲۰۱۵ء،اشاعت ہشتم،ص۳۱۸

۱۲۔ ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار،آخری محبت،ص۱۱

۱۳۔ ایضاً ، ص۱۱

۱۴۔ ایضاً ، ص۴۵

۱۵۔ناصر عباس نیئر،یہ قصہ کیا ہے معنی کا،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۲۲ء،ص۵۵

۱۶۔ ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار،آخری محبت،ص۹۲

۱۷۔ ایضاً، ص۹۳

۱۸۔ ایضاً ، ص۱۳۰

۱۹۔ ایضاً، ص۱۳۰

۲۰۔ ایضاً ، ص۳۴

۲۱۔ ایضاً، ص۳۴

References

1. Dr. Izhar Ullah Izhar, Aakheri Muhabbat, Ahraaf Printing Press, Peshawar, 2022, P.124

2. Ibid, P.225

3. Ibid, P.241

4. Mulana Abul Ahla Maudoodi, Jabr o Qadar, Mashamola: Dr.Waheed Quraishi, Jabr o Qadar, Sange Meel Publication, Lahore, 2007, P.135

5. Dr. Izhar Ullah Izhar, Aakheri Muhabbar, Pg. 185, 186

6. Ibid, P. 174

7. Ibid, P. 262

8. Gopi Chand Narang, Sakhtiat, Pase Sakhtiat aur Mashriqi Shehriyat, Sange Meel Publication, Lahore, 1994, P.48

9. Dr. Izhar Ullah Izhar, Aakheri Muhabbar, Pg. 11

10. Ibid, P.11

11. Qazi Qaisar Al Islam, Falsafe ke Bunyaadi Masail, National Book Foundation, Islam Abad, 2015, 8th Editon, P.318

12. Dr. Izhar Ullah Izhar, Aakheri Muhabbar, Pg. 11

13. Ibid, P.11

14. Ibid, P.45

15. Nasir Abbas Nyar, Ye Qissa Kia hay Maani ka, Sange Meel Publication, Lahore, 2007, P.55

16. Dr. Izhar Ullah Izhar, Aakheri Muhabbar, Pg. 92

17. Ibid, P.93

18. Ibid, P.130

19. Ibid, P.130

20. Ibid, P.34

21. Ibid, P.34